

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نظرات

خدا کی اس وسیع زمین پر جہاں کہیں بھی جو روبرو اور استعداد کی ستائی ہوئی قوم موجود ہے، اس کے لئے قرآن حکیم کے اس ارشاد میں بشارت ہے کہ

تُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۚ وَنُكَلِّمَهُمْ فِي الْأَرْضِ
(القصص ٢٨-٢٩)

ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم ان لوگوں پر احسان فرمائیں جو اس زمین پر کمزور کر دئے گئے ہیں اور ان ہی کو ہم سرکاری بخشیں اور ان ہی زمین کا وارث بنائیں اور ملک میں ان ہی کو قدرت و قوت عطا فرمائیں۔

افریقہ کے براعظم کے سیاہ فام باشندے قرآن حکیم کی اس بشارت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ وہ صدیوں پولیشیوں کی طرح دنیا کی منڈیوں میں فروخت ہوتے رہے۔ اس عرصے میں کونسا دکھ تھا جو انہوں نے نہیں اٹھایا؟ کونسا ظلم تھا جو انہوں نے نہیں سہا؟ کونسی ذلت تھی جو انہوں نے گوارا نہیں کی؟ لیکن تاکئے؟ خدا اب ان پر احسان فرمانا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ زمین پر کمزور کر دئے گئے تھے۔ غلامی سے ان کی رہائی کا وقت آچکا ہے۔ افریقہ جاگ اٹھا ہے۔ ایشیا کی قوموں کی پشت پران کا شاندار ماضی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے سامنے ان کا پُر عافیت حال ہے اور افریقہ کے لئے تانناک مستقبل ہے۔

افریقہ کی آزادی اسلام کے لئے اُمید کا پیغام اور مسلمانوں کے لئے عزیمت کی دعوت لیکر آئی ہے۔ اب تک افریقی

دہری غلامی میں گرفتار تھے۔ جہاں ان کے جسموں پر سفید قام اقوام کی حکومت تھی وہاں ان کی روحوں پر جادو، ٹوٹکے، جھوٹ پریت، مظاہر پرستی اور وحشت کا تسلط تھا۔ لیکن پچھلی نصف صدی سے وہ صرف جسمانی آزادی کے لئے ہی نہیں بلکہ روحانی آزادی کے لئے بھی مضطرب ہیں۔ ان کی طبعِ سیم نے انہیں یہ بات سمجھا دی ہے کہ ان کی روحانی غلامی کا علاج اس مرحلے کے تعلیم کی تعلیم ہے جو تئیموں کا دالی تھا اور غلاموں کا مولیٰ اور جس کی شان یہ تھی کہ

يُضَعُّ عُنُقَهُمْ اَصْحٰهُمْ وَالْاَعْلٰى اَلْتَّيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ

وہ ان کو ان طوطوں اور زنجیروں سے چھڑاتا ہے جن میں وہ

الاعراف: ۱۵۶ جگرے ہوئے تھے۔

اسلام اور عربوں کے ساتھ افریقہ کا تعلق کچھ ایسا نیا نہیں ہے، اس کا موجودہ جوش اور دلولہ اور اس کی وسعت، گہرائی اور گیرائی البتہ نئے ہیں۔

مصر کی میرد علیفی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ دو ہزار سال قبل مسیح سے عربوں کا تعلق افریقہ کے ساحل سے قائم تھا۔ حبشہ تو عربوں کا پڑوسی ہی تھا۔ عرب کے حوصلہ مند جہاز رانوں کے لئے بحیرہ قلزم کا پُر خطر پاٹ پُل کا کام دیتا تھا۔ حبشہ کی قدیم تاریخ اور علم الانسان کے ماہر یہاں کی زبان، نسلی خصوصیات اور قدیم ثقافتی آثار کی مدد سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہاں کی قدیم آبادی بیشتر عرب نواں آباد کاروں پر مشتمل تھی۔

جہاں زمانہ قدیم میں جہم جو عربوں کی مجلسِ بحیرہ قلزم کے اُس پار نہ صرف حبشہ بلکہ افریقہ کے سارے شمال مشرقی ساحل سے جا ملنے لگی تھیں۔ اور کچھ وہیں جذب ہو گئی تھیں۔ وہاں ولادتِ نبوی کے قریب کے زمانے میں اُن موجوں کی بازگشت نے اَلْكَه تَرْكِيْفُ فَعْلٌ رَبَّنَا بِاَصْحَابِ الْفَيْلِ کا عبرتناک واقعہ تاریخ میں یادگار چھوڑا۔ عام الفیل کی تلخی کو ہجرت حبشہ نے بالکل دور کر دیا اور افریقہ کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب خدا کے رسولؐ اور ان کے ساتھیوں پر خود ان کے اپنے ہم وطنوں نے زمین تنگ کر دی تو یہی برا عظم تھا جس نے ان کے ساتھیوں کو پناہ دی اور حقِ میربانی ادا کیا۔

قدیم عربوں کا افریقہ کے ساتھ یہ قریبی تعلق حبشہ اور اس کے گرد و نواح تک محدود نہ تھا۔ بلکہ خطا ستوا سے نیچے کا تمام ساحل افریقہ (یعنی موجودہ کلمہ) کی بندرگاہ (۵۷۸) جنوب (۳۸۹۳۹ مشرق) تک جنوبی عرب کے باشندوں کے زیرِ نگین رہ چکا تھا۔ پہلی صدی عیسوی کے ایک رومی ملاح نے بحیرہ احمر کی جہاز رانی کے لئے ایک نادر روزگار رہنما چتیا تیار کیا تھا جو PERIPLUS OF THE ERYTHRAEAN (RED) SEA کے نام سے مشہور ہے۔ یہ رہنما جنوب مشرقی افریقہ کے ساحل کو جنوبی عرب کے علاقہ قتبآن کے ضلع آوسان کے نام سے منسوب کرتا ہے۔ اس کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں ساتویں صدی قبل مسیح سے آوسان کی حکومت تھی۔ بعد میں

جب اوسان بلکہ پورے قتبان پر قبیلہ حمیر کا قبضہ ہو گیا تو جنوب مشرقی افریقہ کے ساحل پر حمیر کی ذیلی شاخ معاقر کی سیادت قائم ہو گئی۔ مسند عیسوی کے لگ بھگ جب کہ یہ رہنما چ تصنیف ہوا ہے، اس افریقی ساحل پر عرب کی مشہور اور تاریخی بندرگاہ مخا کے رہنے والے حکمران تھے۔ پہلی صدی عیسوی کے اس مصنف کے قول کے مطابق تمام افریقی ساحل پر عربوں کے جہازوں کی آمد و رفت لگی رہتی تھی۔ عرب افریقہ کے دور دراز کے علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے اور افریقی باشندوں سے ان کے دوستانہ روابط اور مناکحت کے رشتے قائم تھے۔

ظہور اسلام کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی فتح مصر نے افریقی عرب تعلقات کی سمت بالکل بدل دی۔ اسے جنوب سے ہٹا کر شمال کی طرف پھیر دیا۔ پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں مصر سے بیکرمراکش تک سارا شمالی افریقہ دارالاسلام بن گیا۔ شمالی افریقہ کی تسخیر کی تکمیل کے بعد مسلمانوں کے لئے دورستے کھلے تھے۔ جنوب میں افریقہ کا عظیم صحرا تھا جس کے اُس پار افریقہ کا پورا براعظم پھیلا ہوا تھا۔ شمال میں سمندر تھا جسے عبور کرنے کے بعد یورپ کی سرزمین تھی۔ عرب کے حوصلہ مند فاتحوں نے صحرا کی جگہ سمندر کو عبور کرنے کا عزم کیا۔ یہ تاریخ کا ایک اہم ترین فیصلہ تھا۔ اگر عرب "ناذ سواروں" نے صحرا کا رخ کیا ہوتا تو آج سے صدیوں قبل افریقہ کا براعظم تاریکی کے گہن سے نکل چکا ہوتا۔

عرب فتوحات کے سیل نے اپنی سمت ضرور بدل لی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسلام کی روشنی "تاریک" براعظم میں صحرا کے اُس پار بھی پہنچتی رہی، مگر دشوار گزار رکاوٹوں کے بادلوں میں سے چھن چھن کر۔ صدر اسلام کی خانہ جنگیاں مادلے صحرا افریقہ کے لئے "خدا ترے برانگیز کو غیر مادران باشد" کا مصداق ثابت ہوتی رہیں۔ خانہ جنگی اور سیاسی انتشار کے زمانے کے شکست خوردہ گروہوں نے افریقہ کے دور افتادہ علاقوں میں پناہ لی۔ ہجرت حبشہ کی سنت ان کے سامنے تھی۔ زنجبار کے شیرازی، جن کا ذکر پچھلے دنوں اخباروں میں آتا رہا ہے، ان ہی مہاجروں کی اولاد ہیں۔

ان مہاجروں کے علاوہ مسلمان تاجروں، ملاحوں اور سیاحوں کے ذریعہ افریقہ اسلام سے متعارف ہوتا رہا۔ ان سیاحوں میں سب سے عظیم شمالی افریقہ کے شہر طنجہ کا رہنے والا ابن بطوطہ تھا۔ اس کی افریقی سیاحت کے مفصل اور دلچسپ کوائف افریقہ کی تاریخ کی اہم ترین دستاویز ہیں۔ مسلمان ملاح افریقہ کے مشرقی ساحل سے بخوبی واقف تھے۔ ڈیاز اور واسکو ڈا گاما سے بہت قبل یہ ملاح اس امید کے گرد چکر لگا چکے تھے۔

ہاں ہمہ ماورائے صحرا افریقہ کی سرزمین صدیوں اسلام کے لئے سیاسی ہی رہی۔ اشاعت اسلام سیاسی پناہ گزینوں، تاجروں، ملاحوں کے بس کی بات نہ تھی۔ ماورائے صحرا کے پرخطر اور مہیب جنگلوں میں یل خُلُونِ فی دُیْنِ اللہ اُنُوا جَا کا منظر اُس وقت سے شروع ہوا، جبکہ ان دشوار گزار علاقوں میں صوفیائے کرام کے مبارک قدم پہنچے اسلام کی پوری تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جس جگہ سب سے زیادہ خطرہ تھا، جہاں بالکل ہی خلا تھا، وہیں یا بشر کے درویش پہنچے ہیں اور یہی کچھ اس براعظم میں ہوا۔ ماورائے صحرا افریقیں اسلام کی تاریخ درحقیقت تصوف کی تاریخ سے عبارت ہے۔

صوفیائے کرام کو اپنی مشکل مہموں کو سر کرنے کے لئے مختلف مصلحتوں اور مصالحوں سے کام لینا پڑا ہے۔ ان بیابان نورد، جہانیاں جہاں گشت، سخت کوشش کنندروں کے مسائل کا صحیح اندازہ ہم جیسے ”مُرمغانِ بامِ حرم“ نہیں لگا سکتے۔ لیکن خدا اپنے دین کی مصلحتوں سے بخوبی واقف ہے۔ دور افتادہ علاقوں میں اسلام کی ابتدائی اشاعت، اور اسلام کے سر سے پرخطر ساعتوں کے گزر جانے کے بعد ان ہی صوفیائے کرام سے احمد سرسندی جیسے اصحاب نے اپنے اسلاف کے وقتی مصالح کی پیدا کردہ خامیوں کی اصلاح کی کوشش کی۔ یوں خذ ما صفا ودع ما کاب کا جلدیاتی عمل تصوف کی تاریخ میں کار فرما ہوتا رہا۔ جس کی ایک جھلک ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کپرمغر مقابلہ میں موجود ہے جو اس شاہدہ کی زینت ہے۔ افریقیں تصوف کی تاریخ کا یہی رخ اُس مضمون میں ملاحظہ فرمائیے جو جناب خالد مسعود کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔

آج افریقیں اسلام پھر ایک آزمائشی دور سے گزر رہا ہے۔ اسلام کے سب سے بڑے حریف عیسائیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مغربی استعمار تھا۔ افریقہ کے ہوشمند حریت پسند اس امر سے واقف تھے کہ مسیحی کلیسا مغربی استعمار کا سب سے زیادہ کامیاب حربہ ہے۔ اس لئے وہ مسیحی مشنریوں کی کوششوں کو شک شبہ کی نظروں سے دیکھتے تھے لیکن اب مغرب اپنے استعمار کی ظاہری علامتوں کو ختم کرنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ مسیحی کلیسا کی طرف جو جھوک افریقی باشندوں میں پائی جاتی تھی وہ تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ دوسری طرف مغربی استعمار نے افریقہ میں اپنی حقیقی قوت کو درپردہ برقرار رکھنے کے لئے مسیحی مشن کی کوششوں کو تیز سے تیز کر دیا ہے۔ ان حالات میں افریقی اسلام بار بار پکار رہا ہے مَنْ النصارى الى الله۔ تو ہے کوئی جو جواب دے۔